

# اسلام کا قانون بین الممالک

ایک مطالعہ

رفیع الدین ہاشمی

مختلف علوم کے ماہرین اور اصحاب فکر و دانش کے تو سبھی خطبات، دور جدید میں علمی دنیا کی ایک قابل قدر اور مستحسن روایت ہے۔ اس سلسلے میں سیرت النبیؐ پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ”خطبات مدراس“ (۱۹۲۵) اور اسلام میں فکر دینی کی تشکیل نو پر علامہ اقبالؒ کے خطبات The Reconstruction of Religious Thought in Islam (۱۹۳۹-۳۰) کو برعظیم پاکستان و ہند کے دینی اور فکری لٹریچر میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اسی سلسلہ الذہب کی ایک اہم کڑی تاریخ قرآن حکیم، حدیث نبوی، تاریخ فقہ، اسلام کا نظم مملکت، نظم و قلع اور نظم تعلیم و تربیت وغیرہ پر عالم اسلام کے مہیہ ناز اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بارہ خطبات ہیں، جو انہوں نے ۱۹۸۰ میں بہاول پور کی اسلامیہ یونیورسٹی کی دعوت پر دیے تھے۔ اور ”خطبات بہاول پور“ کے عنوان سے متعدد بار چھپ چکے ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مذکورہ یونیورسٹی نے اسی تسلسل میں ”خطبات بہاول پور“ کا اہتمام کیا۔ ۱۹۹۵ میں معروف اسکالر ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ”اسلام کا قانون بین الممالک اور جدید دور میں ریاستوں کے باہمی تعلقات“ پر بارہ لیکچر دیے، جنہیں یونیورسٹی نے حل ہی میں کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ جناب محمود احمد غازی انگریزی، عربی اور اردو میں متعدد بلند پایہ علمی کتابوں کے مصنف ہیں اور اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں پروفیسر شریعہ اور یونیورسٹی کے نائب صدر برائے علمی امور کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اسلامی قانون بین الممالک کے مختلف پہلوؤں پر اگرچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ڈاکٹر ہانس کروڑے (جرمنی) اور عرب قانون دان فقہما استاد علی منصور، ڈاکٹر عبد الکریم زیدان، ڈاکٹر وہبہ

ذہیلی اور عراقی مسیحی اسکالر ڈاکٹر مجید خدوری نے خاصا واقع اور تاریخ ساز کام کیا ہے۔ اور اب اس موضوع پر ایک قاتل قدر ذخیرہ علم و تحقیق موجود ہے، اس کے باوجود اسلام کے قانون بین الاقوام کی مزید توضیح و تعبیر اور تفسیر و صراحت کی جیسی اور جتنی ضرورت آج ہے، خصوصاً دور جدید کے تناظر میں، شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ جناب محمود غازی کا یہ احساس بجا ہے کہ جب تک ہم جدید دور کے مغرب زدہ اور لادینیت گزیدہ دانش وروں کو عقلی دلائل سے مطمئن نہیں کریں گے کہ اسلام کا قانون، صحیح معنوں میں انسانوں کے مسائل و مشکلات کو حل کرتا ہے، اس وقت تک ہم خود اسلامی ممالک میں بھی اسلامی قوانین کی نفاذ کی راہ میں پیش رفت نہ کر سکیں گے (ص ۷)۔

اصول شریعت اور اسلامی قانون کے بارے میں ہماری تلاوت اقیقت اور اس بارے میں، خصوصاً مغرب زدہ طبقے کی، کم علمی اور ذہنی الجھن بار بار سامنے آتی ہے۔ اس کا اندازہ بعض مواقع (جیسے ۱۹۷۹ کے حدود قوانین، ۱۹۸۳ کا قانون شہادت، ۱۹۹۰ کا قانون قصاص و دیت آرڈی نمنس، توہین رسالت، کا قانون، اس طرح امتناع قلوبانیت آرڈی نمنس کے نفاذ) پر اٹھائے جانے والے اعتراضات سے ہوتا آیا ہے۔ دین و شریعت کے بارے میں شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں پیدا کرنے والوں میں مغربی ذرائع ابلاغ اور بعض اقلیتی مذہبی لیڈروں کی کوشش تو قاتل فہم ہیں مگر بعض مسلمانوں کی طرف سے ان کی ہم نوائی بہت افسوس ناک ہے اور عبرت ناک بھی۔ (اس کا سبب خواہ کچھ ہو۔۔۔ کم علمی، بدینتی یا لادینی تعلیم کے سبب ان کی مغرب زدگی)۔ اس صورت حال میں تہدیلی وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس کے لیے ”ایک بھر پور فکری تحریک“ ناگزیر ہے۔

غازی صاحب نے بارہ خطبات میں موضوع اور اس کے متعلقات کی مختلف جتوں پر جس تفصیل اور جامعیت سے گفتگو کی ہے اس سے نظام زندگی میں دین، شریعت اور فقہ کا مقام، ان کی انفرادیت اور معنویت روشن ہو جاتی ہے۔ ان ماحولانہ خطبوں میں اسلام کے قانون بین الممالک کا تاریخی اور تقابلی جائزہ، اسلام کا تصور ریاست اور فلسفہ ہجرت، بین الاقوامی تناظر میں، اسلام میں غیر جانب داری، اسلام کا تصور جنگ اور قانون جنگ، اسلامی ریاست اور غیر مسلموں سے اس کے تعلقات، اسلام میں پرائیویٹ انٹرنیشنل لا اور جدید لادینی ریاستوں میں مسلم اقلیتوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہ عالمانہ خطبات بہ ظاہر تو مندرجہ بالا عنوانات ہی سے بحث کرتے ہیں، مگر ان میں اسلامی نظام حیات کے بعض دیگر پہلوؤں پر بھی بہت سی مفید باتیں، معلومات اور واقعات و تجربات آگئے ہیں۔ یہاں ان خطبات کے جملہ مطالب و مباحث کا تعارف تو بہت مشکل ہے، البتہ چند قاتل ذکر نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ قانون بین الاقوام کی تحریر و تدوین میں مسلمانوں کو مسلمہ طور پر اولیت حاصل ہے۔ امام محمد بن

الحسن الشیبلی (وفات ۸۰۵ھ) کی کتابیں کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر، اس موضوع پر قدیم ترین تصانیف ہیں۔ بین الاقوامی قانون کے مغربی بلوا آدم اور ڈیج قانون دان ہیوگو گروشین کی کتاب 'قانون جنگ و صلح ۱۲۲۵ میں منظر عام پر آئی۔ اس باب میں الشیبلی کی اولیت مسلمہ ہے (ص ۲۹)۔ اہل فرنگ بھی انھیں بین الاقوامی قانون کا بانی کہتے ہیں (ص ۱۳۱)۔

۲۔ یہ سمجھنا کہ اسلامی قانون عرب ملکیت سے متاثر ہے، سراسر لاعلمی ہے [اور بعض مصنفین کی بدینتی بھی]۔ ممکن ہے کسی ایک آدھ جزوی معاملے میں کسی فقیہ نے کسی حکمران کی رعایت سے اپنے فتووں میں نرمی کر دی ہو، لیکن ایسے فتویٰ کو کبھی بھی رواج اور قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ سرکاری اثرات سے آزادی، اقتدار و حکومت کے مقابلے میں مکمل خود مختاری اور ریاستی بالادستی سے انکار، فقہ اسلامی کی سب سے نمایاں امتیازی خصوصیت ہے (ص ۳۷)۔

۳۔ اسلام کے قانون بین الممالک کے مقاصد میں دنیا میں عدل و انصاف کا قیام، خارجہ پالیسی میں دعوت اسلامی کی تسہیل و ترجیح، اعلائے کلمتہ اللہ، دنیا میں امن و سلامتی کا قیام، اسلامی ریاست (ریاستوں) کا استحکام اور مسلم اقلیتوں کا تحفظ شامل ہے۔ ان مقاصد میں اپنے اور پرانے کی تمیز نہیں اور عدم تفریق ہی بین الاقوامی تعلقات کی اساس اور بنیاد ہے۔ اسلامی ریاست غیر مسلموں کو فراخ دلی سے مراعات دیتی ہے بلکہ حقوق اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے مسلم اکثریت کے مقابلے میں، غیر مسلم اقلیت کی پوزیشن، بسا اوقات بہتر ہوتی ہے۔ اس ضمن میں جزیے کی بحث میں، جناب محمود غازی نے تاریخ اسلام سے بہت سی مثالیں دی ہیں، مثلاً یہ کہ مسلمانوں کے لیے تو زکوٰۃ کے احکام میں کوئی رعایت یا چھوٹ نہیں مگر فتنانے غیر مسلموں کو جزیے میں بعض مراعات دی ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان لازمی فوجی خدمت کا پابند ہے، مگر غیر مسلموں پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے (ص ۲۳۰) وغیرہ۔

بین الاقوامی تعلقات میں مسلمانوں نے معاہدوں اور قول و قرار کی ایسی پابندی کی کہ باید و شاید۔ تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ غازی صاحب نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ دور فاروقی میں دمشق اس طرح فتح ہوا کہ پہ سلاار حضرت ابو عبیدہ نے اہل شہر سے مصالحت کر لی اور شہر میں ایک جانب سے داخل ہو گئے جب کہ مخالف سمت سے کمانڈر حضرت خالد بن ولید کا داخلہ فاتحانہ ہوا۔

ابو عبیدہ اور خالد اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار، شہر میں ایک جگہ آکر ملے تو وہاں دونوں کو صورت حل کا علم ہوا، مگر اسلام کے انٹرنیشنل لا پر عمل درآمد پر کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ فوراً ایک لکیر کھینچ کر شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اتفاقی امر یہ کہ شہر کا گرجا بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا کہ لکیر اس کے درمیان سے گزرتی تھی۔ چنانچہ شہر کے اس حصے پر جسے حضرت خالد نے فتح کیا تھا، فتح کے احکام کا نفاذ کیا گیا اور

حضرت ابو عبیدہ کے ہاتھوں جو علاقہ فتح ہوا تھا اس پر صلح کے احکام نافذ کیے گئے۔ اس کے نتیجے میں آدھا گرجا، مسجد بنا دیا گیا اور باقی آدھا گرجا ہی رہنے دیا گیا۔ شہر کے آدھے حصے پر اسلامی قانون کے احکام لاگو کیے گئے اور آدھے حصے پر جو حضرت ابو عبیدہ کے ہاتھوں فتح ہوا تھا، بدستور عیسائی احکام باقی رکھے گئے۔ اس بنیادی فرق کی وجہ سے جب مسلم احکام والا علاقہ زیادہ عدل و مساوات اور بھائی چارے کا منظر بنا تو عیسائی رعایا بھی جلد ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی اور اس کے پر زور مطالبے پر شہر کے باقی ماندہ حصے پر بھی مسلم احکام نافذ کر دیے گئے۔ یہ احکام اس وقت تک لاگو نہیں کیے گئے، جب تک کہ خود عیسائی آبلوی نے اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

۴۔ مسلمانوں کے علاوہ دیگر قوموں کے قانون بین الاقوام میں بہت سی خامیاں ہیں، مثلاً ان کے ہاں بالعموم دو طرح کے قانون ہیں۔ ایک نظام قانون انہوں کے لیے اور دوسرا غیروں کے لیے۔ اس تفریق کے پس منظر میں اپنی نسلی یا سیاسی بالاتری کا تصور کار فرما رہا، چنانچہ دنیا کی چار بڑی طاقتوں کے درمیان ۱۸۱۵ میں ایک بین الاقوامی اتحاد قائم ہوا جسے مقدس اتحاد (Holy Alliance) کہا جاتا ہے۔ اس کے تین ”اصول“ تھے، اول: سلطنت عثمانیہ کی تباہی، دوم: جمہوریت کی سرکوبی، سوم: نپولین بوناپارٹ کی اولاد کو اقتدار سے باہر رکھنا (ص ۱۰۰)۔

اس تیسرے ”اصول“ کی وجہ کیا تھی؟ نہیں معلوم، ماسوا اس کے کہ ایک روایت کے مطابق نپولین کے اجداد عرب تھے۔

غیر مسلموں کے قانون بین الاقوام کی عملی افادت یا ان کا انطباق مشکوک ہے۔ مہاتما بدھ کے پیروکار کہتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی طاقت اور قوت کے استعمال کے سخت خلاف تھے۔ اسی طرح عیسائی دانش ور حضرت مسیح سے فخریہ طور پر یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ کوئی ایک گل پر تھپڑ مارے تو دوسرا گل بھی اس کے سامنے کر دیں مگر عمل کی دنیا میں بدھ اور مسیح کے پیروکاروں نے ان اصولوں کی پاسداری کبھی نہیں کی [زیادہ صحیح: وہ ان اصولوں کی پاسداری نہیں کر سکے کیوں کہ یہ غیر فطری اور ناقابل عمل ہیں]۔ اس کے برعکس اسلام، قوت و طاقت کے استعمال کو مطلق حرام قرار نہیں دیتا، بلکہ وہ جنگ اور جہاد کا ایک ایسا منفرد تصور دیتا ہے جو شریعت اور قانون کے اصولوں اور اخلاقیات کے ضابطوں کا پابند ہے (ص ۲۵۴، ۲۵۵)۔ اور دنیا سے فتنہ و فساد کے خاتمے کا ضامن ہے۔

جدید مغربی قانون بین الاقوام، ایک مکمل اور جامع انسانی قانون دینے میں بڑی حد تک ناکام رہا ہے۔ نورم برگ کے مقدمے سے لے کر خلیج کی جنگ کے دوران میں ادارہ اقوام متحدہ کے فیصلوں تک، بے شمار ایسے مواقع آئے جہاں دنیا نے صاف دیکھا کہ یہ قانون، عدل و انصاف اور اخلاق سے اتنا ہی تعلق رکھتا ہے

جتنا جنگی جانور۔ یہاں طاقت ہی کا اصول، فیصلہ کن تسلیم کیا جاتا ہے اور زور آور ہی کو تمام حقوق اور مراعات حاصل ہیں۔۔۔ ڈاکٹر محمود غازی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ سیکولرازم کا لازمی تقاضا اور منطقی نتیجہ ہے۔ ہماری ناقص رائے میں اگر مغربی طاقتیں خلوص دل سے سیکولرازم کی حقیقی روح پر بھی عمل کرتیں تو بد اخلاقی اور بے انصافی پر مبنی جس ظلمانہ اور مجرمانہ رویے کا، یہ قوتیں ارتکاب کرتی رہی ہیں، اس سے خاصی حد تک بچا جاسکتا تھا۔ المیہ تو یہ ہے کہ ان کے ہاں کفر بھی کفر نہیں ہے، سیکولرازم بھی خالص نہیں ہے۔ ہر مرحلے اور مقام پر تفریق، منافقت اور دو عملی کار فرما ہے۔

لطف کی بات تو یہ ہے، اور یہ باعث عبرت بھی ہے کہ انصاف، مساوات، امن اور انسانی حقوق کا علم بردار اور مشعل بردار (torch bearer) ہونے کا دعویٰ بھی انہی کو ہے۔ جنگ عظیم اول کے بعد انجمن اقوام (League of Nations) قائم ہوئی، مگر انہی بڑی اقوام کی خود غرضیوں، مفلو پرستیوں اور ہوس رانیوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ علامہ اقبالؒ کو بجا طور پر کہنا پڑا۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن وزدے چند  
بر تقسیم قبور، انجمنے ساختہ اند

اور انجمن اقوام متحدہ (U.N.O) کا حل بھی اس سے مختلف نہیں ہے، اور انجام بھی شاید ویسا ہی ہو گا کیوں کہ ”جن اسباب کی وجہ سے انجمن اقوام کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، وہ تمام، پہلے سے کہیں زیادہ ڈھٹائی کے ساتھ ادارہ اقوام متحدہ میں موجود ہیں۔“ یعنی: مری تعمیر میں مضمحل ہے۔“ اک صورت خرابی کی۔ چنانچہ فاضل مولف کا یہ احساس بالکل بجا ہے کہ مغربی قانون بین الاقوام کے مزاج اور ساخت میں مغرب کی بلا دستی، طاقت کی پرستش اور مسلمانوں کی تذلیل و توہین کے عناصر شامل ہیں۔ اس قانون کے تحت جو ادارہ بھی بنے گا، وہ کبھی بھی کسی کمزور مسلمان ملک کو طاقت ور غیر مسلم (بالخصوص مغربی) ملک کے مقابلے میں انصاف فراہم نہیں کر سکے گا۔ یہ ادارے صرف مسیحی مغرب کے مفادات کی تکمیل کے لیے وجود میں لائے جاتے ہیں (ص ۳۵۲-۳۵۳)۔

۵۔ جملو کا ایک اصول یہ ہے کہ فقہما کے نزدیک ذہبی جملو اور ذہبی جنگ جائز تصور ہوگی جو حکومت وقت کی سربراہی میں دستوری اور آئینی طریقے سے کی جائے (ص ۲۶۸، ۲۶۹)۔ چنانچہ دور حاضر کے بعض حلقے افغانستان، کشمیر، بوسنیا اور چینیا وغیرہ میں مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں دفاعی عملی کارروائیوں کو جملو کے بجائے فساد قرار دیتے ہیں۔ جناب محمود غازی نے فقہما کے اقوال کی روشنی میں جہاں اصول جنگ و جملو کی بڑی عمدگی سے وضاحت کی ہے، وہاں اس کے عملی اطلاق کے سلسلے میں بھی متوازن اور معقول رائے دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ جملو کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے

لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو مقبوضہ علاقے کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنے امیر کا انتخاب کر کے جملہ شروع کر دیں، جیسا کہ کشمیر میں ہو رہا ہے۔ اس صورت حال میں پاکستان کے مسلمان ان کشمیری قائدین کی قیادت میں جملہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح بوسنیا اور چچنیا میں بھی مسلمان وہاں کی قیادت کے تحت جملہ میں حصہ لے سکتے ہیں (ص ۲۸۱)۔

۶۔ طاقت ور قومیں مسلمانوں کے بارے میں اپنے اہداف کو تو پوشیدہ رکھتی ہیں مگر مسلمانوں کی حقیقی قوت، عزائم اور منصوبوں کے متعلق وہ اخبار نویسوں یا سروے کمپنیوں کے ذریعے ضروری معلومات و حقائق برابر جمع کرتی رہتی ہیں۔۔۔ مصنف کی تلقین ہے کہ اس معاملے میں مسلم زعماء کو بھی احتیاط کرنی چاہیے، مثلاً: دہلی کے لال قلعہ پر جنڈالہرانے کی طرح کے عزائم پر مبنی جذباتی انداز گفتگو دشمن کو چونکا کرنے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنا ایک دلچسپ تجربہ بیان کیا ہے، کہتے ہیں:

مجھے مارچ ۱۹۹۰ میں سوویت یونین کے دورے کا موقع ملا۔ میرے ساتھ اس وقت کے پاکستان کے چیف جسٹس بھی تھے جو وفد کے سربراہ تھے۔ ہمیں وہاں کے ذمہ دار افراد سے گفتگو کا موقع ملا۔ اس وقت تک ازبکستان سوویت یونین کا حصہ تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ وہ اپنے مسلمان طالب علموں کو ہمارے یہاں داخلہ لینے کی اجازت دے دیں جسے انہوں نے ٹھکرا دیا اور اس کے جواب میں انہوں نے ایک بڑی ضخیم فائل دکھائی جس میں پاکستان کے بہت سے مذہبی و سیاسی لیڈران کرام کے بیانات تھے جن میں دعوے کیے گئے تھے کہ وہ سرقد و بخارا پر پاکستانی پرچم لہرائیں گے۔ سوویت یونین کے ذمہ داران کا موقف تھا کہ آپ سوویت یونین کے اندرونی حالات خراب کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم اپنے طلباء کو آپ کے یہاں داخلہ لینے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ (۳۰۸-۳۰۹)۔

۷۔ پاکستان میں قادیانیوں کی شہریت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں محمود غازی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ چونکہ قادیانیوں کا بنیادی عقیدہ ناموس رسالت کے منافی اور اسلامی اسٹیٹ سے بغاوت پر مبنی ہے، اس لیے اس کا صحیح حل (انہیں محض غیر مسلم اقلیت قرار دینا نہیں بلکہ) ان پر کھل پابندی لگانا ہے۔ کیونٹ پارٹی اور عوامی لیگ وغیرہ کی طرح ان پر بھی کھل پابندی لگا کے، ان کا سارا لٹریچر ضبط کرنا چاہیے۔ کیونٹ ملک میں وہاں کے بنیادی نظریات کے خلاف بات کرنا اگر اسٹیٹ کے خلاف جرم ہے تو یہاں بھی ریاست کی بنیادی اساس کے خلاف بات کرنا جرم ہونا چاہیے (ص ۳۳۸)۔

۸۔ آخری خطبہ: ”مسلم اقلیت“ جدید لادینی ریاستوں میں ”بہت دلچسپ“ فکر انگیز اور معلومات افزا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں بطور اقلیت آباد و مقیم مسلمان دنیا کی کل مسلم آبادی کا چالیس فی صد ہیں۔ یہ

مسلمان لادین ریاستوں خصوصاً امریکہ و یورپ میں اپنی تعلیم، ہنرمندی اور علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں اختصاص رکھنے کے سبب بہت مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے باعث مسرت و اطمینان بھی ہے اور باعث عبرت بھی۔ خوشی کا باعث تو یوں کہ ایسے ماہر مسلمان اپنے اپنے ممالک کو زرمبادلہ وغیرہ کی صورت میں تو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر، اگر انھیں مناسب موقع ملے تو وہ امت مسلمہ کو کہیں زیادہ اور بیش بہا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں غازی صاحب نے ایک واقعہ سنایا ہے کہ یورپ کے ایک بہت بڑے ملک میں آج سے اٹھارہ سال پہلے مسلمانوں کا ایک وفد گیا اور اس نے ایک اہم جدید ٹکنالوجی کی منتقلی کی درخواست کی کیوں کہ وہ ٹکنالوجی اس مسلم ملک کے پاس نہ تھی۔ لیکن ایک بڑی طاقت کے اشارے پر اس میزبان ملک نے وہ ٹکنالوجی مسلمانوں کو منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔ جس صبح اس وفد کو واپس روانہ ہونا تھا اس سے ایک رات پہلے میزبان ملک نے مہمانوں کے اعزاز میں انسانی عشاء کے اہتمام کیا، جس کے بعد کچھ لوگ چل قدمی کے لیے نکلے۔ مسلم وفد کے سربراہ نے خود مجھے بتایا (وہ اپنے ملک میں ایک اہم اور بڑے سائنس دان تھے) کہ وہ لوگ عشاء کے بعد چل قدمی کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے گفتگو کرتے کرتے میزبان ملک کے ایک سائنس دان نے موقع پا کر، اپنے ساتھیوں سے ذرا الگ ہو کر کہا کہ آپ اس انکار اور حکومتی فیصلے کو بھول جائیے، میں اس لوہارے کا سربراہ ہوں اور میں مسلمان ہوں۔ میں یہ پوری ٹکنالوجی آپ کے ملک کو منتقل کر دوں گا۔ چنانچہ وہ ٹکنالوجی منتقل کر دی گئی۔ ایک فرد نے اپنی حکومت کی پالیسی کے خلاف اور ایک بڑی طاقت کے دباؤ کے باوجود اپنی جان اور اپنی اولاد کے لیے خطرہ مول لے کر، ایک مسلم ملک کو وہ فائدہ پہنچا دیا جو عام حالت میں ممکن نہ تھا۔ اس طرح کی مثالیں اور بھی دی جاسکتی ہیں، لیکن اس ایک مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم ممالک کے لیے مسلم اقلیتوں کی کتنی اہمیت ہے۔ مگر مسلم اقلیتیں منظم نہیں ہیں اور کوئی مسلمان ملک ان کا سرپرست نہیں ہے۔ ان کی مناسب تنظیم اور تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ دوسری طرف صرف ڈیڑھ کروڑ یہودیوں نے پورے امریکہ کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، مگر فرنگ کی رگ جاں بچہ یہود میں ہے۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں اس سپر پاور کو اپنی انگلیوں پر نچاتے ہیں، مگر امریکہ میں مقیم ساٹھ لاکھ مسلمان بے بس ہیں۔ وہاں تبلیغ اسلام کے لیے خداداد مواقع حاصل ہیں۔ امریکی حکومت جیلوں میں مقید کالوں کو قابو میں رکھنے سے عاجز آچکی تھی مگر جوں جوں کالے مسلمان ہوتے گئے تو بدلتے گئے۔ ضدی، اکڑ اور غارت گر کالے، اسلام قبول کرنے کے بعد خاموش، نظم و ضبط کے پابند اور تعاون کرنے والے بن گئے۔ حکومت کے تحقیقاتی کمیشن نے رپورٹ دی کہ مجرم قیدیوں کو مذہب بدلنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ ممکن نہیں کہ انھیں قبول اسلام کی رغبت دلائی جائے۔ غازی صاحب کہتے ہیں کہ مجھے ۱۹۸۹ میں وہاں جانے کا اتفاق ہوا تو جیلوں میں تبلیغ کرنے

والوں نے بتایا کہ خود صدر بش کے حکم سے ہر جیل میں مسلمان مبلغ مقرر کیے گئے ہیں اور جیلوں میں حکومت کے خرچ پر مساجد بنائی جا رہی ہیں۔

مسلم اقلیتوں کو غیر مسلم معاشروں میں درپیش مسائل میں مدد دینا، مسلم حکومتوں اور مسلمانوں کی دینی اور اجتماعی ذمہ داری ہے مثلاً:

۱۔ ان کے مذہبی اور ثقافتی حقوق کے لیے آواز اٹھائی جائے (بلیٹیم میں ۱۹۷۳ کے اوائل سے اسلام کو سرکاری مذہب کا درجہ دے دیا گیا ہے کیوں کہ مقامی آبادی کی خاصی تعداد اسلام قبول کر چکی ہے۔ اب اگر کسی مقام پر مسلم آبادی مطالبہ کرے تو حکومت قانوناً مسجد بنانے کی پابند ہے بلکہ وہ امام کی تنخواہ بھی دے گی) (ص ۴۰۰)۔

۲۔ تارکین وطن کے لیے تعلیم اور تہذیب و تربیت کا بندوبست کیا جائے خصوصاً معقول تعداد میں ایسے جدید تعلیم یافتہ اور معتدل نقطہ نظر کے حامل اہل علم کی تیاری و فراہمی، جو تارکین وطن کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ، مساجد کو اختلاف و جدل کا اکھاڑا بنانے کے بجائے، مرکز رشد و ہدایت بنائیں۔

بلاشبہ مسلم اقلیتیں تعلقوں، مدد اور رہنمائی کی مستحق ہیں۔ مگر ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر مسلم اکثریت کے درمیان اور لادینی معاشروں میں رہتے ہوئے حکمت و تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ جزائر غرب الہند کے ملک ٹرینی ڈاؤ میں بعض پرجوش مسلمانوں نے اپنی بے تدبیری اور حماقت سے امت مسلمہ کے لیے رسوائی کا سامن فراہم کیا اور اسلام کی پیش رفت کے لیے راستہ مسدود نہیں کیا تو اس راستے میں کانٹے ضرور بوسے۔ ڈاکٹر محمود غازی بتاتے ہیں کہ وہاں مسلمان ۱۵ یا ۲۱ فی صد ہیں۔ وہاں مسلمانوں کو اتنا اثر و رسوخ حاصل تھا کہ اقلیت ہونے کے باوجود ملک کا صدر مسلمان تھا۔ پارلیمنٹ کا سپیکر اور عدلیہ کا چیف جسٹس بھی مسلمان تھے البتہ وزیر اعظم کا عہدہ ایک عیسائی کے پاس تھا۔ کہیں سے کچھ مخلص اور پرجوش مگر کم علم اور حکمت و تدبیر سے عاری مسلمان مبلغین وہاں پہنچے اور مقامی مسلمانوں کو بھڑکایا کہ جنگ بدر میں ۳۱۳ مسلمانوں کی قلیل تعداد، تین گنا سے زائد کافروں پر غالب آگئی تھی۔ یہاں بھی کفر کو شکست دے کر اسلامی انقلاب برپا کر دینا چاہیے۔ پھر کیا تھا بعض کالے پرجوش مسلمانوں نے مسلم املاک کو نقصان پہنچایا، ٹی وی اور ریڈیو پر قبضہ کر لیا اور نفاذ اسلام کا اعلان کر دیا مگر اسلام تو وہاں کیا قائم ہوتا، غیر مسلم اکثریت سے مسلمانوں کے خیر سگالی کے تعلقات بھی ختم ہو گئے، وہ کلیدی عہدے بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور تبلیغ اسلام کے لیے آئندہ راستے بند ہو گئے۔ یہ نتیجہ تھا چند تلوان دوستوں کی بے تدبیری کا۔ ”ان کے جوش جنوں نے وہ کام کر دیا جو ان کے غیر مسلم دشمن بھی نہ کر سکے تھے“ (ص ۳۹۸)۔

۳۔ مختلف یورپی طاقتیں، صدیوں تک افریقہ و ایشیا اور لاطینی امریکہ کے مختلف علاقوں پر متصرف رہیں۔ انہوں نے اپنی اپنی نوآبادیات کو مختلف جیلوں بہانوں سے، جی بھر کے لوٹا۔ یہ قول: مصحفی (۱۸۳۶-۱۷۵۰) :-

ہندستان میں دولت و حشمت جو کچھ کہ تھی  
کافر فرنگیوں نے بتدریج کھینچ لی

دور جدید میں اس طرز کی تاخت و تاراج کی تو ممکن نہیں رہی۔ اب ان فرنگیوں نے عالمی بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ کے لہوے اوڑھ لیے ہیں۔۔۔ اب الیہ یہ ہے کہ مشرق خصوصاً مسلم معاشرے کی ذہانت اور مہارت، مغربی دنیا برابر کھینچنے لیے جا رہی ہے اور حل میں تو اس کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔ مسلمان اپنے قیمتی وسائل سے ڈاکٹر، انجینئر اور مختلف شعبوں کے ماہرین تیار کرتے ہیں، مگر یورپ اور امریکہ و کینیڈا انہیں فوراً سنبھال لیتے ہیں۔ ان کی قابلیت و مہارت (talent) اغیار کے کام آ رہی ہے۔۔

غنی روز سیاہ پیر کھنکھ را تماشا کن  
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلفا را

(اے غنی، پیر کھنکھ [یعقوب] کی بد قسمتی ملاحظہ ہو۔ اس کا نور چشم [بیٹا یوسف] زلفا کی آنکھ روشن کر رہا ہے۔)

۴۔ جناب محمود غازی مسلم ممالک کو توجہ دلاتے ہیں کہ اس ذہانت و خدمت سے غیروں کے بجائے خود ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے بلکہ اگر ہم اسلامی اخوت اور وحدت کی بنیاد پر مسلمان ممالک میں سازگار فضا اور مناسب ماحول پیدا کریں تو یورپ اور امریکہ و کینیڈا میں موجود ان ہزاروں مسلمان ماہرین کو اپنے ہاں بلا کر ان سے دنیا بھر کی خدمت کا کام لے سکتے ہیں، جو دوسروں کے اخراجات سے تیار ہوئے ہیں (ص ۳۹۱)۔ مگر اس کے لیے نیک نیتی، خلوص اور بڑی حکیمانہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ بطور خاص حکومتی نظاموں کو بد عنوانیوں اور بے انصافیوں سے پاک کیے بغیر، ہم ذہانت و مہارت کو اپنے ہاں نہیں کھینچ سکتے۔

جناب مصنف کہتے ہیں کہ اگر مسلم ممالک نے، غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کیں تو خدا نہ کرے کہ وہ غیر مسلم اکثریت کے درمیان اپنا ملی تشخص کھو بیٹھیں اور وہ چین میں مسلمانوں کے سے انجام دوچار ہوں۔

ڈاکٹر محمود غازی کے یہ خطبات پڑھتے ہوئے ذہن، علامہ اقبالؒ کے ایک احساس کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ تقریباً پون صدی قبل انہوں نے ایک خط میں لکھا تھا کہ مذہب اسلام گویا زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے، اس لیے زمانہ حل کی نقہ (قوانین) پر تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت ثابت کرنا، مسلمانوں کی

اہم ترین ضرورت ہے۔۔۔ (اقبال نامہ، اول، ص ۵۰-۵۱)۔ دور جدید کے تناظر میں اسلام کی تفہیم و تعبیر اور بطور خاص اسلامی قانون اور فقہ کی توضیح و تشریح کے ضمن میں یہ خطبات، ایک قابل قدر کاوش اور پیش رفت ہیں۔ ان میں اصل موضوع کے ذیل میں بیسیوں ضمنی مسائل و مباحث آگئے ہیں، جیسے: دارالاسلام، دارالحرب، جزیہ، سفارت کاری، ڈپلومیسی، چالشی، گفت و شنید اور مذاکرات، معاہدات، شہریت، توہین رسالت، دور جدید میں احیائے خلافت، اہل ذمہ، اہل کتاب، مرتدین وغیرہ۔ غازی صاحب نے دقیق بحثوں میں علم اور مطالعے کو اپنے تجربات و مشاہدات کی آمیزش سے ایسا دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے کہ انٹرنیشنل لا کے طلبہ کے علاوہ مسائل امت سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین بھی کتاب سے بہت کچھ استفادہ کر سکتے ہیں۔

اسلامیہ یونیورسٹی سے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ زیر نظر خطبات کا آئندہ ایڈیشن، اغلاط کتبیت و املا کی درستی کے بعد، اور اشارے کے اضافے کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ (قیمت: ۲۰ روپے جلد، ۱۳۰ روپے کلغذی جلد)

عید الفطر کی خوشیوں میں مظلوم کشمیری مجاہدین و مہاجرین،  
افغان اور پاکستان بھائیوں کو بھی یاد رکھیں

## فطرانہ کی اجتماعی تقسیم

جماعت اسلامی پاکستان نے فطرانہ کی اجتماعی تقسیم کا اہتمام کیا ہے۔

فطرانہ کی رقم کشمیری مجاہدین و مہاجرین، افغان بھائیوں اور پاکستان میں مستحقین میں تقسیم کی جائے گی۔

☆ رقم عید سے کم از دو دن پہلے موصول ہونی چاہیے تاکہ تقسیم کے انتظامات میں سہولت ہو۔

☆ ٹیلی فون پر بھی آپ فطرانہ کی رقم کی پیشگی اطلاع دے سکتے ہیں۔

ڈرافٹ بنام مسعود احمد خان ارسال کیجیے

انیس احمد خان

قائم مقام ناظم مالیات

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 7844605-9, 5419520-24، فیکس: 7832194

ای میل: amir@ji.org.pk